پروفیسر خواجہ محمد اسلم مرحوم

اسلامی تہذیب اور اس کے عناصر ترکیبی

اسلامی تہذیب کے مزاج اور نوعیت پر اظہار خیال کرنے سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب کی تعریف کی جائے تاکہ اسکے مطابق اسکے عناصر کو متعین کیا جاسکے "تہذیب" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔ درخت کی شاخ تراشنی مجازی طور پر یہ لفظ تزئین و آرائش اور تعلیم و تادیب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تہذیب کے یہ مختلف معانی بڑے وسیع اور عمیق مفہوم کے حامل ہیں اور ان میں سے ہر لفظ تہذیب کے کسی ایک پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ اگر ان سب الفاظ کے درمیان ایک معنوی ربط پیدا کرلیا جائے تو تہذیب کے سارے پہلو سامنے آجاتے ہیں تہذیب کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کے اخلاق و اطوار کی تزئین کا سامان بہم پہنچائے۔

محولہ بالا گزارشات میں تہذیب کے جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ تو اسکے عملی وظائف ہیں۔ لیکن بات تشنہ رہ جاتی ہے اگر تہذیب کی کوئی جامع مانع تعریف نہ کی جائے۔ میں اس معاملے میں کسی تفصیل میں جائے بغیر یہ کہہ سکتاہوں کہ ہم عام طور پر انسانی زندگی کے جن مناظر کو تہذیب سے تعبیر کرتے ہیں وہ اسکی خارجی نمود ہیں۔ تہذیب کا اصل منبع و مرکز خارجی دنیا نہیں بلکہ انسان کا قلب و دماغ ہے اس نقطۂ نظر سے بدیہ بطور صدقہ جاریہ ایک روپیہ اگر دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ تہذیب در حقیقت اس تصور کا نام ہے جو ایک خاص قسم کی سیرت و کردار پر منتج ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کائنات اور اس کے خالق کے بارے میں ایک خاص انداز فکر ہے جو انسان اور خدا کے مابین متعدد رشتوں کو ایک خاص نہج پر استوار کرتا ہے۔

انسان کی خواہشات

یہی تین روابط دنیا کی ہر تہذیب کی بنیاد اور اساس ہیں اور انہیں جس انداز پر متعین کیا جاتا ہے۔ وہی اس تہذیب کی روح قرار پائی ہے۔ ایک انسان خواہ کسی مافوق الطبیعی ذات کے وجود کا زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا دل بے تاب کائنات کو سمجھنے کے ساتھ نظام تکوین کے پرے اس حقیقت کبریٰ کے کھوج کا بھی شدید آرزومند رہتا ہے جس کے بغیر خود اس کا اپنا وجود ہستی کی وسعتوں میں بے معنی ہے۔ انسان کے اندر فطری طور پر غیر محدود لامتناہی کو سمجھنے کی گہری لگن ہے جس میں وہ تمام اوصاف عالیہ بدرجہ اتم موجود ہوں۔ جنہیں وہ اپنی ذات میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور جس کی بدولت اسے یقین و ایمان کے وہ اتھاہ خزائن ہاتھ آتے ہیں۔ جو اس کی خودی کو نشو و نما دیتے ہیں۔ پھر انسان بالکل قدرتی طور پر یہ جاننے کا بھی خواہش مند ہوتا ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات میں جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی اپنی حیثیت کیا ہے۔ اور اس کا اسکے ساتھ کیا رشتہ ہے اس کے علاوہ

انسان اس بات کو بھی سمجھنے کا متمنی ہے کہ اس پر انسانیت کی وسیع برادری کے رکن ہونے کی حیثیت سے کون سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اور وہ ان سے کس طرح کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اور ان ذمہ داریوں کے عوض وہ ایک معاشرے سے کون سے حقوق طلب کر سکتا ہے۔ اب میں انہیں تعلقات پر اسلام کے نقطہ نظر کی وضاحت کروں گا جس سے اسلامی تہذیب کے عناصر ترکیبی کھل کر سامنے آجائیں گے۔

نور السموات والارض:

اسلام نے سب سے پہلے انسان کو یہ بات ذہن نشین کرائی ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام رنگ و بو یونہی بے مقصد ہنگامہ نہیں بلکہ اپنے پیچھے ایک گہری مقصدیت رکھتا ہے اس کائنات کا ایک خالق اور مالک ہے جس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کے لئے جوابدہ ہے۔ کائنات کے رنگارنگ مظاہر کوئی بے جوڑ اور بے ربط شعبے نہیں بلکہ ان سب کے مابین ایک معنوی ترتیب پائی جاتی ہے۔ اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کائنات کی کوئی چیز روحانی حسن سے عاری نہیں اور اس کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالےٰ کے نور سے منور نہ ہو۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے "اللہ نور السموات والارض" سے تعبیر کیا ہے۔ اسلام کے اس اساسی تصور نے انسان کو ایک مخصوص انداز فکر عطا کیا ہے جس نے اسلامی تہذیب کی صورت گری کی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان شرف کے اس تاج کی قدر و قیمت کو پوری طرح پہچانے جو اللہ تعالےٰ نے اس کے سر پر۔۔۔۔ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے رکھا ہے اس تصور کو اپنانے کے بعد انسانوں کا ذہن ان ساری ظلمتوں، ان ساری بے انصافیوں ان سارے تعصبات سے پاک ہوجاتا ہے جو شرک کی تاریکی پھیلاتی ہے اور ان کی جگہ انسان کے اندر روشن، وسیع النظری، اور ابنائے نوع سے ہمدردی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ پھر ان تمام نظاموں سے منہ موڑ لیتا ہے۔ جو مختلف زمان و مکان میں انسان نے انسان پر ۔۔ ئی قائم کرنے کے لئے بنا رکھے ہیں۔

اسلام کا کلمہ توحید:

اسلام کا کلمہ توحید جہاں مالک اور حاکم کے مقام کو متعین کرتا ہے۔ وہاں مملوک اور محکوم کو بھی اس کے اصل مقام سے آگاہ کرتا ہے۔ یعنی اگر خدا کی یہ شان ہے کہ اس کے سوا کوئی فرمانروا اور حاجت روا نہیں تو انسان کی بھی یہ شان ہے کہ اس کا سر خدا کے سوا کسی دوسرے بناوٹی خدا کے سامنے نہ جھکے۔ اس بناء پر اسلامی تہذیب ان سارے کھلے اور چھپے مظالم کے خلاف ایک چیلنج کا حکم رکھتی ہے۔ جو بے رحم دولت مند بیکسوں پر زبردست زیردستوں پر، سفید رنگ والے سیاہ رنگ والوں پر، تعصبات عقل پر، سماج افراد پر، اور افراد سماج پر کرتے ہیں۔ ایک یونانی مصنف کا قول ہے دنیا میں جہاں کہیں کوئی حسین چیز ہے اس سے میرا گہرا رابطہ ہے یونانی تہذیب اس احساس جمال سے کہیں زیادہ اسلامی تہذیب احترام انسانیت کی

علمبردار ہے۔ چنانچہ دنیا میں جہاں دل دکھی ہے، جہاں کوئی مظلوم ہے جس کی حق تلفی ہوئی ہو اسلام اس کی معاونت اور دستگیری کے لئے ہر وقت آمادہ ہے۔ اسلامی تہذیب کے اس پہلو کو جن سادہ مگر بلیغ انداز میں عرب قاصدوں نے شاہ ایران اور اس کے امراء کے سامنے واضح کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ ان سے جب ان کے آنے کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے دربار شاہی میں بڑی صفائی کے ساتھ یہ کہا:

ہم یہاں اس لئے آئے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ دنیا کی تنگی سے نجات دے کر وسعت و کشائش کی راہ دکھائیں۔ ظلم و استبداد سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لائیں۔ بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان کے درمیان برادرانہ محبت قائم ہونی چاہئے۔ ہماری نظر میں انسانوں کے درمیان شریف و کمین کی مصنوعی تقسیم صحیح نہیں۔ ہم انسانوں کا خود ساختہ اونچ نیچ کے قائل نہیں ہم تمام انسانوں کو ایک ہی اصل کی شاخیں سمجھتے ہیں اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک گیری اور کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں۔ ہم انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اگر ہماری بات مان لی جائے تو ہم واپس چلے جائیں گے۔

انسان کی روح:

ان الفاظ سے بہتر اسلامی تہذیب کے مقصد اور منہاج کی تصویر کشی نہیں ہو سکتی۔ عرب قاصدوں کا مطلب یہ تھا کہ اسلامی تہذیب نسلی، لسانی، سیاسی اور معاشی تفوق کے سارے دعوں کو بالکل غلط سمجھتی ہے اور انسان کے مرتبہ اور مقام کو سیرت و کردار کی پختگی، اس کی فکری اور عملی صلاحیتوں کے اعتبار سے مشخص کرتی ہے۔ حجتہ الوداع کے موقعہ پر محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل و نسب کے تفاخر کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔ چنانچہ اسلامی تہذیب انسانیت کے حق مساوات کی ہمیشہ علمبردار رہی ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جب آپ کے خاندان کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے بڑے معنی خیز الفاظ میں جواب دیا ''سلمان ابن اسلام'' یہ جواب ایک فرد کا جواب نہیں جو کسی وقتی تاثر کے تحت اس کی زبان سے لاشعوری طور پر نکل گیا ہو بلکہ یہ ایک تہذیب کا جواب ہے جو زندگی کے ایک نہایت ہی اہم مسئلہ کو حل کرنے کی غرض سے دیا گیا ہے۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبال نے اس واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

فارغ از ارباب دام و اعمام باش
ہمچو سلمان زادۂ اسلام باش

اسلامی تہذیب کی نگاہ میں نوع انسانی ایسے افراد سے مرکب ہے جو مساوی روحانی مرتبہ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ہر انسان کی روح ایک ہی جوہر سے بنتی ہے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ کسی شخص کی روح پیدائشی داغدار نہیں ہے اور نہ اس کو کسی ایسے گناہ کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے جو خود اس پہلے جنم میں یا اس کے

کسی مورث بعید سے صادر ہوا ہو۔وہ خود اپنے عمل کے سوا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں........!

مساوات کا اصول:

اسلام کے اس اصول مساوات کے اگر اثرات دیکھنے ہوں تو ذرا اسلامی معاشرے کا جائزہ لیجیئے۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی مسلم معاشرہ ان ساری طبقاتی منافرتوں سے کافی حد تک پاک ہے۔ جو ہمیں دوسرے معاشرے میں نظر آتی ہیں یہ معاشرہ ہر اس شخص کو اپنے ہاں پوری فراخدلی سے قبول کرتا ہے جو اس کے اندر شریک ہونے کی خواہش کرے اور پھر اس کے ساتھ رنگ، نسل اور خاک وطن کے اختلافات کی بنا پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا بلکہ محض اس کی ذہنی اور اخلاقی استعداد کی بنا پر اسے اپنے ہاں اونچے سے اونچا منصب دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے اور اسے نہایت فراخدلی سے مسلم سوسائٹی میں عزت و احترام سے جذب کیا جاتا ہے۔ پھر مساوات کے اس اصول نے مسلمانوں کے اندر ان سارے گروہوں کی بیخ کنی کر دی ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے ہاں سے کچھ خصوصی مراعات اور حقوق لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے انہیں دوسرے انسانوں پر پیدائشی تفوق اور برتری حاصل ہے۔ یہاں نہ تو فرمانرواں کو کوئی آسمانی حقوق حاصل ہیں اور نہ ہی مذہبی طبقوں کو کوئی ربانی حقوق یہاں ہر شخص کے لئے ترقی کے دروازے کھلے ہیں۔ بشرطیکہ اس کے اندر مناسب استعداد اور صلاحیت ہو۔اس نقطہ نظر سے اگر تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے ہر قسم کی طبقاتی گروہ بندیوں کا خاتمہ کرکے انسانیت کو سیاسی، معاشی اور مذہبی استحصال سے بچایا ہے۔ اس نے اگر ایک طرف سیاسی میدان میں صحیح جمہوریت کی داغ بیل ڈالی۔ تو دوسری طرف سرمایہ دار طبقوں کی معاشی لوٹ کھسوٹ اور مذہبی طبقوں کی مذہب کے نام پر ریشہ دوانیوں سے بھی معاشرے میں تحفظ عطا کیا اسلام نے اپنے اندر (Priest Hood) کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں چھوڑی یہاں Every man is his own priest کے محاورے کی تصدیق قدم قدم پر موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو قومیں اسلام سے متاثر ہوئیں یا اسلامی سلطنت کے زیر نگیں آئیں۔ان میں کسی کی زبان میں (Priest & Priest Hood) کا صحیح ترجمہ تک موجود نہیں۔

اقبال نے اسلامی الہیات کی تشکیل جدید میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ایک نہایت ہی لطیف نقطہ پیدا کیا وہ لکھتے ہیں

"اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ جاوید قوت بنانے کا عملی طریقہ ہے۔ اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لئے ہے۔ نہ کہ تخت و تاج کے لئے اور چونکہ ذات باری تعالیٰ تمام زندگی کی روحانی اساس ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت گیشی اختیار کرتا ہے۔"

اسلام کی ہیئت اجتماعی:

اگر علامہ اقبال کی اس تصریح کی روشنی میں اسلام کی ہیئت اجتماعی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام

نے انسانی معاشرے کو نسلی، نسبی، لسانی یا وطنی تفاخر پر استوار کرنے کی بجائے خالص روحانیت کی بنیاد پر تشکیل کیا ہے۔ اس نے احترام آدمیت کو اخلاق کا بنیادی اصول ٹھہرایا ہے۔ وہ انسان کی ذہنی افق کو وسیع کرتا ہے۔ اتنا وسیع کہ اسمیں ساری کائنات سما جائے۔ اور وہ انسان کے دائرہ ہمدردی کو بھی اتنی وسعت دیتا ہے اس کے اندر نہ صرف ذی روح مخلوق بلکہ بے جان مخلوق بھی آجاتی ہے وہ ایک مسلمان سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پوری نوع انسانی کو اللہ تعالے کا کنبہ سمجھ کر اس کا احترام کرے اور اس کے ساتھ انتہائی ہمدردی اور ایثار کا معاملہ روا رکھے یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ چشم فلک بوس نے آج تک مسلمان قوم جیسی روادار قوم نہیں دیکھی اس کے ثبوت کے لئے کسی لمبی چوڑی دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف پاک اور بھارت کے گزشتہ چند سالوں کے واقعات پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنے سے اس حقیقت کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں غیر مسلموں کی ایک معقول تعداد بس رہی ہے اور اسی طرح بھارت میں بھی تقریباً چھ کروڑ مسلمان ہندو سامراج کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں غیر مسلم اقلیت کے جان و مال اور عزت آبرو کی جس اخلاص اور مستعدی سے حفاظت کی جا رہی ہے۔ وہ تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے یہاں اگر غیر مسلموں کی طرف کسی نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے کی جسارت کی، تو پوری قوم کے اجتماعی ضمیر نے اس کی ملامت کی اور حکومت نے غیر معمولی جرات اور قابل ستائش سرعت کے ساتھ ایسے ناپاک عزائم کو یکسر بنا دیا۔ پھر یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ پاکستان کی غیر مسلم اقلیت کی تہذیب و معاشرت کے خلاف یہاں کوئی سازش نہیں کی جاتی بلکہ اس کے تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں بھارت کے مسلمانوں کے ساتھ وہاں کی ہندو اکثریت جو انسانیت سوز سلوک کر رہی ہے اس سے پوری دنیا واقف ہے۔

میرے نزدیک اسلامی تہذیب کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اس نے انسانوں کو احترام انسانیت سکھایا ہے اور ان کے دلوں کو اتنا حساس بنایا ہے کہ ہر انسان کا دکھ درد ان کے اندر ارتعاش پیدا کر دیتا ہے۔

دنیا کی تہذیبیں:

آج تک دنیا میں جتنی تہذیبیں مذہب کی بنیاد اور اساس پر ابھری ہیں ان کے اندر مادی زندگی اور اس کے تقاضوں سے ایک عام بیزاری کا رجحان دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اسلام وہ پہلی تہذیب ہے جو مذہب سے عبادت ہے لیکن جس نے زندگی کا اثبات کیا ہے اور اس خیال کو باطل قرار دیا ہے کہ زندگی کی لذات روحانی اور اخلاقی ترقی میں مانع ہے۔ اس نے ایک طرف انسان کی خواہشات نفس اور اسکے جذبات پر قیود عائد کئے اور دوسری طرف ان حدود قیود کے اندر انسان کو ہر قسم کی آزادی عطا کی اور پھر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ نہ صرف انفس و آفاق کو چشم بصیرت سے دیکھے، بلکہ اپنے ان مشاہدات پر عقل سلیم کے ساتھ غور و فکر بھی کرے۔ اور ان رازہائے سربستہ کا کھوج لگائے جن سے اسے تسخیر کائنات میں راہنمائی ملتی ہو۔ بلکہ یقین

محکم اور عمل پیہم کے ساتھ اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کرے۔ جو شخص اپنے فکر و عمل سے انسانی زندگی کو فروغ دینے، اس کی ممکنات کو اجاگر کرنے اور قافلہ حیات کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ درحقیقت انسانیت کا صحیح محسن ہے۔ اسلامی تہذیب بے عملی کا پرچار نہیں کرتی، بلکہ ایک فکر انگیز، انقلاب آفرین، اور بے تاب زندگی کی تشکیل کرتی ہے۔ ایسی زندگی جس کے ذریعے انسان حرکت، حرارت، نور اور مادہ کے ممکنات پر قابو پا کر اپنی قوت بڑھاتا ہے۔ اس کی مدد سے وہ آسمانوں کے سینے شگاف کرتا، ستاروں پر کمندیں پھینکتا اور جہاں چار سو پر اپنے بے پناہ عمل کا سکہ بٹھاتا ہے۔ پھر وہ گردش ایام کے ہاتھ میں ایک بے بس کھلونا بن کر نہیں رہتا بلکہ گردش ایام اپنی رفتار کے لئے اس کے اشارہ چشم کی منتظر رہتی ہے۔ یہ قوت اسے نہ صرف آفاق میں گم ہونے سے بچاتی ہے۔ بلکہ آفاق اس کی مقناطیسی کشش سے خود اس میں گم ہوجاتا ہے۔

ایک آفاقی تہذیب

علامہ اقبال نے بالِ جبریل میں اسلامی تہذیب کے اس گوشے کی نقاب کشائی کی ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے تو روح ارضی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں اس امر کا یقین دلایا کہ میرے پاس قدرتی وسائل کی صورت میں جو خزانے ہیں وہ سب تیرے لئے ہیں اور ان سے تو اپنی شخصیت کے استحکام اور تعمیر ذات کے لئے سامان فراہم کر سکتا ہے......!

سمجھے گا زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید تیرے بحر تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تیری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر، اثر آہ رسا دیکھ
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تیری پنہاں ہے تیرے خون جگر میں
اے پیکر گل، کوشش پیہم کی جزا دیکھ

اسلامی تہذیب کی جن خصوصیات کا ذکر کیا جاچکا ہے وہ اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ اسلامی تہذیب

ایک آفاقی تہذیب ہے جو انسان کی روح اور اس کے جسم کی نشوونما کا سامان فراہم کرتی ہے۔ یہ کوئی جامد تہذیب نہیں بلکہ اس میں حرکت اور توسیع پذیری ہے۔ اس میں ترقی کے ہر دور کے لئے راہنمائی کی قوت ہے۔ اقبال کے قول کے مطابق اسلامی تہذیب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے کلاسیکی سکون آفرینی کی جگہ حرکت اور حرارت کے اصول کو زندگی کی اساس قرار دیا یہی وجہ ہے کہ اس تہذیب نے بے شمار ایسے فلاسفر اور سائنس دان پیدا کئے۔ جنھوں نے علم کا ماخذ احساس و شعور کو قرار دے کر کائنات پر غور کیا اور اس سے ایسے نتائج اخذ کئے جن پر دور جدید کی تہذیب تعمیر ہوئی۔ انہوں نے سب سے پہلے انسان کو یہ بات سمجھائی کہ کائنات کے عمل میں تواتر اور ارتقا ہے۔ یورپ نے اس حقیقت کو اگرچہ بہت دیر میں تسلیم کیا ہے۔ کہ سائنس کی منہاج دراصل مسلمانوں کی دریافت ہے۔ لیکن بالآخر اسے اس کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔ چنانچہ آج مغربی حکماء اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان سائنس دانوں نے عالم محسوس کے حقائق پر قابو پانے کے لئے مشاہدے، تجربے اور پیمائش کو ظن و تخمین کے مقابلے میں زیادہ وقعت دی اور اس طرح جدید سائنس کی بنیاد ڈالی۔

ان گزارشات سے اسلامی تہذیب کے اجزائے ترکیبی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس تہذیب کا مزاج، مقصد اور منہاج سراسر روحانی ہے۔ اس نے روح اور مادہ کی دوئی کو ختم کر کے حیات انسانی کے سارے گوشوں کو اخلاق اور روحانیت کی اساس پر استوار کیا ہے۔ یہ ایک آفاقی تہذیب ہے جو اگرچہ زمان و مکان کے اندر ہی جلوہ گر ہوتی ہے۔ مگر ان کے اندر مقید نہیں ہوتی اس کے اندر تسلسل اور ارتقاء ہے۔ اور زندہ رہنے بڑھنے اور نشوونما پانے کی بے پناہ صلاحتیں موجود ہیں۔

امت مسلمہ کیلئے بارگاہ رسالت سے پانچ حکم

حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالی کی طرف سے حکم پا کر امت کو حکم دیتا ہوں کہ ان پانچ احکامات کی پابندی کریں۔

۱۔ انفرادی زندگی چھوڑ کر اجتماعی زندگی اختیار کریں
۲۔ جماعتی نظام کے اندر آنے کے بعد جماعت کے فیصلے کو شوق سے سنیں۔
۳۔ جماعت کے فیصلے کو محبت سے سننے کے بعد فیصلے کے مطابق فرمانبرداری کے لئے مکمل طور پر تعاون کریں۔
۴۔ جماعت کے فیصلے کو عملی رنگ دینے کے لئے ہر طرح کا مکمل تعاون کریں اگر وقت کی ضرورت ہو تو گھر کے آرام کو چھوڑ کر سفر کے لئے آمادہ ہوں اگر کھانے کھلانے کی ضرورت ہو تو خاموشی توڑ کر مقصد کے لئے کام کریں۔
۵۔ اگر مقصد بہت بڑا ہو اور بہت بڑی قربانی چاہتا ہو تو مجاہد کی سبیل بن کر اللہ کو راضی کرنے کے لئے جان مال اولاد وطن عزت سب کچھ قربان کرنے کے لئے میدان عمل میں کفن بردوش ہو کر نکل آئیں۔